قرآنیات

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الشعراء

(۴)

(گذشتہ سے پیوستہ)

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾ عَلٰى قَلْبِكَ
لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿١٩٥﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٩٦﴾

(یہ پہلوں کی سرگذشتیں ہیں۔اِس کتاب کے منکرین بھی یہی کر رہے ہیں،اِس لیے مطمئن رہو)، اِس میں کچھ شک نہیں کہ یہ نہایت اہتمام سے خداوند عالم کا اتارا ہوا کلام ہے[192]۔اِس کو تمھارے دل پر روح الامین[193] لے کر اترا ہے[194]،اِس لیے کہ دوسرے پیغمبروں کی طرح تم بھی خبردار کرنے

۱۹۲۔یعنی قرآن مجید۔اِس کے لیے ضمیر مرجع کے بغیر اِس لیے آگئی ہے کہ سیاق کلام اِسے واضح کر رہا ہے۔

۱۹۳۔یہ جبریل علیہ السلام کا لقب ہے جس سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ جو کچھ اُن کے حوالے کیا جاتا ہے،اُسے وہ پوری دیانت داری کے ساتھ بے کم و کاست اور بغیر کسی ادنیٰ تبدیلی کے پہنچاتے ہیں۔

۱۹۴۔یعنی براہ راست تمھارے دل پر جس کے بعد کسی آمیزش کی گنجایش نہیں ہو سکتی۔استاذ امام لکھتے ہیں:

”...آیت میں خطاب ظاہر الفاظ کے اعتبار سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، لیکن کلام کا

اَوَلَمۡ یَکُنۡ لَّہُمۡ اٰیَۃً اَنۡ یَّعۡلَمَہٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۹۷﴾
وَلَوۡ نَزَّلۡنٰہُ عَلٰی بَعۡضِ الۡاَعۡجَمِیۡنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَہٗ عَلَیۡہِمۡ مَّا کَانُوۡا بِہٖ مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۹۹﴾
کَذٰلِکَ سَلَکۡنٰہُ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ
الۡاَلِیۡمَ ﴿۲۰۱﴾ فَیَاۡتِیَہُمۡ بَغۡتَۃً وَّہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۲۰۲﴾ فَیَقُوۡلُوۡا ہَلۡ نَحۡنُ مُنۡظَرُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾

والے بنو، نہایت صاف عربی زبان میں ـــــ اور یہ اگلے صحیفوں میں بھی مذکور ہے[195]۔ کیا اِن لوگوں کے لیے یہ کوئی نشانی نہیں ہے کہ اِس کو بنی اسرائیل کے علما جانتے ہیں؟ ۱۹۲-۱۹۷

(یہ اب بھی نہیں مان رہے)، اور اگر ہم اِس کو کسی عجمی پر نازل کر دیتے، پھر وہ اِنھیں پڑھ کر اِسے سناتا تو یہ پھر بھی اِس پر ایمان نہ لاتے۔ اِن مجرموں کے دلوں میں اِسی طرح ہم نے اِسے گزارا ہے[196]۔ یہ اِسے نہیں مانیں گے، جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں کہ وہ اچانک اِن پر آجائے اور اِنھیں خبر بھی نہ ہو، پھر اُس وقت کہیں کہ کیا ہمیں کچھ مہلت ملے گی؟ ۱۹۸-۲۰۳

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

مقصود مخالفین پر اِس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ یہ کلام پاک منبع سے نکلا ہے، پاک ذریعے سے اترا ہے اور پاک ترین محل میں اِس نے اپنا مستقر بنایا ہے۔‘‘ (تدبر قرآن ۵/۵۵۸)

۱۹۵۔ یہ اُن پیشین گوئیوں کا حوالہ ہے جو قرآن سے متعلق انبیاے سابقین کے صحیفوں میں موجود ہیں۔ آگے اُنھی کے پیش نظر فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کے علما اُن سے واقف ہیں اور اُن میں سے خدا جنھیں توفیق دے گا، وہ اِس کی شہادت بھی دیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر قرآن جو دلائل پیش کرتا ہے، یہ اُن میں سے ایک اہم دلیل ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ پیغمبر کی حیثیت سے آپ لوگوں کے لیے کوئی اجنبی شخصیت نہیں تھے۔ اہل کتاب کے علما آپ کو اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب کو اُسی طرح پہچانتے تھے، جس طرح ایک مہجور باپ اپنے موعود و منتظر بیٹے کو پہچانتا ہے۔

۱۹۶۔ یعنی اِس طرح داخل کیا ہے کہ سنت الٰہی کے مطابق یہ اُس کو قبول کرنے سے ابا ہی کریں گے، اِس لیے کہ اپنی فطرت کو اِس بری طرح مسخ کر چکے ہیں کہ اِن کا معدہ اب اِس طرح کی کسی غذا کو قبول کرنے کے قابل نہیں رہا۔ چنانچہ انکار کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ تراش لیتے ہیں۔ اب اِس لیے نہیں مان رہے کہ تم اِنھی کے اندر سے ہو اور اگر باہر کا کوئی آدمی آکر اِسے سناتا تو یہ کہہ کر رد کر دیتے کہ اہل عرب کے لیے کوئی عجمی کیسے پیغمبر بنا کر بھیجا جا سکتا ہے؟

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا
كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾
وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٠٩﴾
وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٢١١﴾ اِنَّهُمْ
عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿٢١٢﴾

تو کیا یہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی مچائے ہوئے ہیں؟ ذرا دیکھو تو، اگر ہم (وہ عذاب ابھی نہ اتاریں اور) اِن کو چند سال اور (اِسی طرح) بہرہ مند رکھیں، پھر وہ عذاب اِن پر آجائے جس سے اِنھیں ڈرایا جا رہا ہے تو یہ بہرہ مندی اِن کے کس کام آئے گی؟[197] ۲۰۴-۲۰۷

(اِنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مہلت اتمام حجت کے لیے ہے)۔ ہم نے کسی بستی کو بھی اِس کے بغیر ہلاک نہیں کیا کہ اُس کے لیے پہلے (اُن لوگوں کی) یاددہانی کے لیے خبردار کرنے والے آئے۔ اور ہم ظالم نہیں ہیں کہ اِس کے بغیر ہی اُنھیں ہلاک کر دیں۔ ۲۰۸-۲۰۹

(یہ خدا کا اتارا ہوا کلام ہے، اِس سے یاددہانی حاصل کرو)۔ اِسے شیاطین لے کر نہیں اترے ہیں۔ نہ یہ اُن کے لائق ہے، نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تو سن گن لینے ہی سے دور رکھے گئے ہیں[198]۔ ۲۱۰-۲۱۲

۱۹۷۔ مطلب یہ ہے کہ چند برسوں کی اِس مہلت نے اِنھیں غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے۔ اِنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مہلت مصلحت الٰہی سے ہے۔ اِس سے یہ عذاب ہمیشہ کے لیے ٹل نہیں جائے گا۔ اِن کا رویہ یہی رہا تو اِسے بالآخر آنا ہے اور یہ جب آئے گا تو یہ مہلت اِن کے کچھ بھی کام نہ آئے گی۔ موت اب آئے یا دس سال بعد آئے، وہ جب بھی آئے گی، اُس سے پہلے کی زندگی اپنی تمام قدر و قیمت لازماً کھو دے گی۔

۱۹۸۔ یعنی ایسی پاکیزہ باتیں، ایسی اعلیٰ اور برتر تعلیمات اور ایسا علم حقائق، پھر ایسے فصیح و بلیغ اور دل نشیں اسلوب میں نہ کسی شیطان سے صادر ہو سکتا ہے اور نہ شیاطین کسی منبع خیر سے اِس کو اچک کر لا سکتے ہیں، اِس لیے کہ ملاء اعلیٰ تک اُن کی رسائی کے تمام راستے نزول قرآن کے ساتھ ہی بند کر دیے گئے ہیں۔ قرآن نے دوسری

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿٢١٣﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ
الْاَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢١٥﴾
فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢١٦﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ

(یہ اب عذاب کی زد میں ہیں، اے پیغمبر)، اِس لیے اللہ کے ساتھ تم کسی دوسرے معبود کو نہ پکارنا کہ تم بھی سزاوار عذاب ہو جاؤ[199]، اور اپنے قریبی خاندان والوں کو بھی اِس سے خبردار کر دو[200]، اور جن اہل ایمان نے تمھاری پیروی کی ہے، اُن کے لیے اپنی شفقت کے بازو جھکائے رکھو[201]۔ ۲۱۳-۲۱۵

لیکن تمھارے خاندان کے یہ لوگ اگر (اس کے باوجود) تمھاری بات نہ مانیں تو اِنھیں صاف صاف بتادو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، میں اُس سے بری ہوں، اور (اپنی دعوت کے اِس مرحلے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جگہ خود جنات کی زبان سے اُن کا یہ اعتراف نقل کیا ہے کہ پہلے ہم آسمان کے ٹھکانوں میں سننے کی کوئی جگہ پا لیتے تھے، مگر ہم نے دیکھا کہ اب جو کچھ سننے کی کوشش کرتا ہے، اپنے لیے گھات میں ایک انگارا پاتا ہے۔ گویا مدعا یہ ہے کہ کلام خود بھی اِس بے ہودہ الزام کی تردید کر رہا ہے اور جن کے حوالے سے لگایا جارہا ہے، وہ بھی تردید کر رہے ہیں۔

۱۹۹۔ یہ خطاب اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، لیکن اِس سے مقصود اُنھی منکرین کو متنبہ کرنا ہے جو پیغمبر کی طرف سے اتمام حجت کے باوجود اپنے شرک پر اصرار کر رہے تھے۔

۲۰۰۔ اِس لیے کہ تمھاری خیر خواہی کے سب سے زیادہ حق دار بھی وہی ہیں اور اہل عرب کی مذہبی اور سیاسی پیشوائی کا منصب بھی اُنھی کو حاصل ہے۔ لٰہذا متنبہ ہو گئے تو پوری قوم کے لیے خدا کے عذاب سے بچنے کی راہ نکل آئے گی۔

۲۰۱۔ یہ ہدایت اِس لیے فرمائی ہے کہ یہ لوگ زیادہ تر غربا تھے اور قریش کے اکابر ہر وقت اِن کی تحقیر کے درپے رہتے تھے۔ چنانچہ اندیشہ تھا کہ کہیں دل شکستہ ہو کر ایمان کے منافی کوئی کام نہ کر بیٹھیں۔ چنانچہ دونے التفات کے مستحق تھے۔

الرَّحِیْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ
هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۲۲۰﴾

میں)[۲۰۲] اُس عزیز و رحیم پر بھروسا رکھو جو تمھیں اُس وقت دیکھتا ہے، جب تم رات میں تہجد کے لیے اٹھتے ہو اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تمھارے آنے اور جانے کو دیکھتا ہے[۲۰۳]۔ بے شک، وہ سمیع و علیم ہے۔ ۲۱۶-۲۲۰

۲۰۲۔ یعنی جب تمھارے لیے ہجرت اور تمھارے مکذبین کے لیے عذاب کا مرحلہ قریب آ رہا ہے۔ یہ مرحلہ چونکہ پیغمبر کے لیے نہایت کٹھن ہوتا ہے، اِس لیے آگے ہدایت فرمائی ہے کہ اِس میں اُس پروردگار پر بھروسا رکھو جو عزیز ہے، لہٰذا عذاب کا فیصلہ کرے گا تو کوئی اُس کا ہاتھ پکڑنے والا نہ ہو گا اور اپنے بندوں کے لیے رحیم و شفیق بھی ہے، لہٰذا اُنھیں بھی لازماً نوازے گا اور کوئی اُس میں رکاوٹ نہ بن سکے گا۔

۲۰۳۔ یعنی غایت درجہ التفات کے ساتھ دیکھتا ہے۔ یہ اُس آمد و شد کی طرف اشارہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو دعا و مناجات میں مشغول دیکھنے کے لیے اُن کے درمیان رکھتے تھے۔ اہل ذوق اندازہ کر سکتے ہیں کہ آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی شب خیزی، فکرمندی اور ذکر و عبادت میں مشغولیت کی یہ کس قدر دل نواز انداز میں تحسین ہے۔ آیت میں اِس کے لیے ’تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ اِس سے ’حِیْنَ تَقُوْمُ‘ کے معنی بھی واضح ہو جاتے ہیں کہ یہ فی الواقع آپ کا نماز تہجد ہی کے لیے اٹھنا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ”آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح خود شب کی دعا و مناجات کا اہتمام فرماتے تھے، اُسی طرح اپنے صحابہ کو بھی اِس کی تاکید فرماتے تھے اور وقتاً فوقتاً آپ مسجد میں جا کر یہ روح پرور منظر دیکھتے بھی تھے کہ لوگ دعا و عبادت میں مشغول ہیں۔ اوپر آیت ۲۱۵ میں آپ کو مومنین کے باب میں یہ ہدایت جو فرمائی گئی کہ اُن کو اپنی شفقت کے بازوؤں کے نیچے رکھو، یہ بھی اُسی کا ایک پہلو ہے کہ آپ کی طرح آپ کے ساتھی بھی پوری طرح چوکنے اور بیدار رہیں۔ انجیلوں میں سیدنا مسیح کے بارے میں بھی آتا ہے کہ جب آزمایش کا آخری مرحلہ آیا ہے تو وہ ایک پہاڑی پر جا کر دعا میں مشغول ہو گئے اور اپنے شاگردوں کو بھی ہدایت فرمائی کہ وہ جاگیں اور دعا کریں کہ فتنے میں نہ پڑیں۔ پھر وہ بار بار اپنے شاگردوں کے پاس یہ دیکھنے کے لیے آئے کہ وہ دعا کر رہے ہیں یا نہیں۔ شاگرد سو جاتے تو وہ اُن کو بار بار جگاتے کہ دعا کرو تا کہ فتنے سے محفوظ رہو۔“ (تدبر قرآن ۵/ ۵۶۴)

هَلۡ اُنَبِّئُکُمۡ عَلٰی مَنۡ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیۡنُ ﴿۲۲۱﴾ؕ تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیۡمٍ ﴿۲۲۲﴾ۙ
یُّلۡقُوۡنَ السَّمۡعَ وَاَکۡثَرُہُمۡ کٰذِبُوۡنَ ﴿۲۲۳﴾ؕ
وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُہُمُ الۡغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ؕ اَلَمۡ تَرَ اَنَّہُمۡ فِیۡ کُلِّ وَادٍ یَّہِیۡمُوۡنَ ﴿۲۲۵﴾ۙ

(لوگو، یہ وہ پاکیزہ ہستی ہے جس کے بارے میں تم کہتے ہو کہ اُس پر شیاطین اترتے ہیں)۔ تمھیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں؟ وہ ہر لپاٹیے بدکار پر اترتے ہیں۔ وہ (اُن کی طرف) کان لگاتے ہیں (کہ غیب سے کچھ سن رہے ہیں)[۲۰۴]، مگر اُن میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں[۲۰۵]۔ ۲۲۱-۲۲۳

(اور کہتے ہو کہ وہ بھی گویا ایک شاعر ہے[۲۰۶]، جب کہ) شاعروں کے پیچھے تو بہکے ہوئے لوگ

۲۰۴۔ یہ اُن کاہنوں کی تصویر ہے جو اُس زمانے کے عرب میں اکثر دیکھے جاتے تھے۔ ہمارے ہاں کے متصوفین اور عاملوں کی تصویر بھی اِس سے مختلف نہیں ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...اِن کی پہلی صفت یہ بتائی ہے کہ یہ 'اَفَّاك' یعنی بالکل لاغی، دروغ باف اور لپاٹیے ہوتے ہیں۔ یہ سادہ لوحوں کو بے وقوف بنانے کے لیے طرح طرح کے جھوٹ گھڑتے ہیں اور پھر اِس دعوے کے ساتھ اُن کو پیش کرتے ہیں کہ یہ باتیں اِن پر غیب سے القا ہوئی ہیں۔ اِن کی دوسری صفت 'اَثِیۡم' بیان ہوئی ہے، یعنی اخلاقی اعتبار سے یہ ہر قسم کے گناہوں میں آلودہ ہیں۔ آخر میں اِن کے اُس بھگل کی تصویر پیش کی گئی ہے جو عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے یہ لوگ اختیار کرتے تھے۔ اِن لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ احمق لوگ جب کسی معاملے میں غیب کی باتیں معلوم کرنے کے لیے اِن سے رجوع کرتے تو یہ لوگ کچھ عملیات سفلیہ کے ساتھ مراقبہ کرتے اور پھر ایک مقفٰی کلام کی صورت میں (جو اکثر بالکل بے معنی یا ذو معانی ہوتا)، اپنا الہام پیش کرتے کہ یہ اِن پر غیب سے فلاں جن نے القا کیا ہے۔ اِن کے اِس مراقبے کو یہاں 'القاے سمع' سے تعبیر فرمایا ہے، اِس لیے کہ وہ مراقبے میں اِس طرح بیٹھتے گویا ہاتف غیب سے کوئی بات سننے کے لیے کان لگائے ہوئے ہیں۔'' (تدبر قرآن ۵/۵۶۵)

۲۰۵۔ یعنی بعض تو فی الواقع اپنے عملیات سفلیہ کے ذریعے سے شیاطین جن کے ساتھ کچھ رابطہ پیدا کر لیتے اور اُن سے الہام پاتے ہیں، لیکن اکثر اپنے اِس پیشۂ کہانت میں بھی سچے نہیں ہوتے، محض عوام فریبی کے لیے اپنے آپ کو کاہن بنا کر پیش کرتے اور غیب دانی کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔

۲۰۶۔ یہ بات وہ اِس معنی میں کہتے تھے کہ جو بلاغت و جزالت اِن کے کلام میں دیکھ رہے ہو، وہ اُسی طرح

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

چلا کرتے ہیں[۲۰۷]۔ کیا دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں[۲۰۸] اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو

کی بلاغت و جزالت ہے جو ہمارے شاعروں کے کلام میں بھی ہوتی ہے، خاص طور پر اُن بڑے شاعروں کے کلام میں جن کے ساتھ جنات ہوتے ہیں جو اُنھیں شعر الہام کرتے ہیں۔ اِسے آں سوے افلاک کی کوئی چیز قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۰۷۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے تقابل میں فرمایا ہے کہ شاعروں کے پیرو تو سیرت و کردار کے لحاظ سے ایسے مہ و آفتاب اور سجدوں میں راتیں بسر کرنے والے نہیں ہوتے۔ تم شاعروں کو بھی جانتے ہو اور اُن کے پیرووں کو بھی۔ اُن میں سے تو ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر اوباش، گم راہ، دین و اخلاق کی بندشوں سے آزاد اور جذبات و خواہشات کا غلام ہوتا ہے۔ کیا اندھے ہو گئے ہو کہ اِن دونوں گروہوں کا یہ کھلا کھلا فرق و امتیاز بھی دیکھ نہیں پاتے ہو؟

۲۰۸۔ یہ قرآن کے تقابل میں فرمایا ہے کہ اُسے شاعری کہتے ہو؟ کہاں اُس کی ہم رنگی و ہم آہنگی کہ ہر آیت اپنے معین ہدف اور طے شدہ مقصد کے تحت صادر ہوتی ہے، اُس میں کسی جگہ کوئی تضاد و تخالف نہیں ہوتا، اُس کے مضامین باہم مربوط، نہایت جچے تلے، دوٹوک، سراسر دانش و حکمت اور ہر جگہ اپنے اندر راستی، حق اور خیر و صلاح کی دعوت لیے ہوئے ہوتے ہیں، اور کہاں تمھارے شاعر کہ بے لگام گھوڑے کی طرح ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ استاذ امام کے الفاظ میں:

> ”...جو وارد ہ دل پر گزر گیا، اگر اُس کو ادا کرنے کے لیے اُن کو کوئی اچھوتا اسلوب ہاتھ آ گیا تو اُس کو شعر کے قالب میں ڈھال دیں گے۔ اِس سے بحث نہیں کہ وہ رحمانی ہے یا شیطانی، روحانی ہے یا نفسانی، اُس سے خیر کی تحریک ہو گی یا شر کی۔ اُن کے اشعار پڑھیے تو ایک شعر سے معلوم ہو گا کہ ولی ہیں، دوسرے شعر سے معلوم ہو گا کہ شیطان ہیں۔ ایک ہی سانس میں وہ نیکی اور بدی، دونوں کی باتیں بے تکلف کہتے ہیں اور چونکہ اچھوتے اور موثر اسلوب میں کہتے ہیں، اِس وجہ سے پڑھنے والے دونوں سے متاثر تو ہوتے ہیں، لیکن نفس کو زیادہ مرغوب چونکہ بدی کی باتیں ہیں، اِس وجہ سے اُس کے نقوش تو دلوں پر قائم رہ جاتے ہیں، نیکی کا اثر غائب ہو جاتا ہے اور اِس طرح اگر اُن کے کلام میں کچھ افادیت ہوتی بھی ہے تو وہ اُن کے تضاد فکر میں غائب ہو جاتی ہے —— جھاڑ جھنکاڑ کے جنگل میں اگر کچھ صالح پودے بھی لگا دیے جائیں تو وہ مثمر نہیں ہوتے۔“

(تدبر قرآن ۵/۵۶۷)

وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

کرتے نہیں ہیں[209]؟ اِس سے وہی مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کو بہت یاد کیا اور اُسی وقت بدلہ لیا، جب اُن پر ظلم کیا گیا[210] ــــــ اور یہ ظلم کرنے والے، اِنھیں جلد معلوم ہو جائے گا کہ اِن کا ٹھکانا کیا ہوتا ہے۔ ۲۲۴-۲۲۷

۲۰۹۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقابل میں فرمایا ہے کہ کہاں وہ قدسی صفات ہستی جس کا کلام اُس کی شخصیت میں مجسم ہو گیا ہے اور کہاں یہ گفتار کے غازی جو تمھارے شاعر ہیں ــــــ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اِنھیں شعروں میں دیکھیے تو رستم و سہراب بھی ہوں گے اور قیس و فرہاد بھی، لیکن اِن کی یہ رزم و بزم، سب خیالی ہوتی ہے۔ چنانچہ مکارم اخلاق کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہوں گے، مگر اپنے آپ کو اُن کی ہوا بھی نہیں لگنے دیں گے۔ زہد و تصوف کے لطائف و حقائق بیان کریں گے، مگر حال وہی ہو گا کہ ــــــ پر طبیعت ادھر نہیں آتی۔

۲۱۰۔ یہ اُن شاعروں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے۔ فرمایا کہ جس کو شاعر سمجھ رہے ہو، یہ اُس کی دعوت پر ایمان کا اثر ہے کہ وہی گفتار کے غازی اب صرف گفتار کے غازی نہیں رہے، بلکہ تقویٰ اور عمل صالح کی دولت سے بھی بہرہ مند ہو گئے ہیں، عشق و ہوس اور مفاخر و مطاعن کے بجاے اب اُن کی شاعری میں زیادہ سے زیادہ اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور کسی کے بارے میں کچھ کہتے بھی ہیں تو حق کی مدافعت میں اور اُسی وقت کہتے ہیں، جب اُنھیں یا اُن کے ساتھیوں کو ظلم و عدوان کا ہدف بنایا جاتا ہے۔

یہ استثنا اِس لیے ضروری تھا کہ شاعری بجاے خود کوئی قابل مذمت چیز نہیں ہے، بلکہ ایک عطیۂ خداوندی ہے جسے اگر صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے تو روح کے اہتزاز اور قلب و نظر کی تطہیر کا باعث بن جاتی ہے۔

کوالالمپور

۲۱/ اکتوبر ۲۰۱۳ء

www.javedahmadghamidi.com